سورۃ الفاتحۃ کے انعام یافتگان

آج کل انٹرنٹ پر ایک مکالمے کا ٹکڑا گشت کر رہا ہے جس میں اس چیز سے بحث کی گئی تھی کہ اللہ کے نبی— صلی اللہ علیہ وسلم— کا تعلق بنی اسرائیل سے ہے اور یہ امت بھی بنی اسرائیل سے ہے۔اس مکالمے کے میزبان محمد شیخ صاحب اور مہمان مفتی عبدالباقی صاحب ہیں۔اس پورے مکالمے سے محض ایک ٹکڑا انٹرنٹ پر بہت گردش کر رہا ہے جس میں یہ دکھایا گیا ہے کہ محمد شیخ صاحب قرآن سے یہ ثابت کرنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ اس امت کو جن کی پیروی کا حکم دیا جا رہا ہے وہ "بنی اسرائیل" ہے۔اور اللہ تعالی نے سورۃ الفاتحۃ میں جن کے راستے پر چلنے کا حکم دیا ہے وہ "بنی اسرائیل" ہیں۔ بلاشبہ یہ ٹکڑا اس پورے مکالمے کا ایک حصہ ہے اور اس کی ثانوی حیثیت ہے، لیکن اسے الگ کر کے پھیلا دیا گیا ہے جس سے دیکھنے والا بہت سے غلط فہمیوں کا شکار ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس ٹکڑے کو اس سے پہلے ہونے والی گفتگو کے تناظر میں نہیں دیکھ پاتا، جس سے بظاہر یہ تاثر ملتا ہے کہ دوسری طرف کے پاس اس بات کا کوئی جواب نہیں، نیز قرآن مجید اپنے بالکل آغاز میں ہمیں جن کی پیروی کا حکم دے رہا ہے اس پر پورے قرآن کی بنیاد ہے اور رسول اللہ -صلی اللہ علیہ وسلم -سے لے کر اب تک کے امتیوں نے اس کی جو تشریح بیان کی ہے وہ ایک ہی ہے، لیکن محترم محمد شیخ صاحب نے اس کے بارے میں ایک بالکل الگ نظریہ بیان کیا اس لیے اس نقطے پر الگ سے لکھ جا رہا ہے چنانچہ وہ اس نقطے کو بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

==========

"صراط الذين أنعمت عليهم "(راستہ ان کا جن پر تیرا انعام ہوا)۔ قرآن میں اللہ تعالی کہتا ہے کہ راستہ ان کا جن پر تیرا انعام ہوا۔

اب میں نے جیسے ہی یہ آیت پڑھی تو میں یہ دیکھنا چاہوں کہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں۔

سب سے پہلے سورة الفاتحة میں قرآن میں کہتا ہے کہ "راستہ ان کا جن پر تیرا انعام ہوا" اور سورۃ البقرۃ کی چالیسویں آیت میں قرآن کہتا ہے:

يَابَنِي إِسْرَائِيلَ اذْكُرُوا نِعْمَتِيَ الَّتِي أَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَأَوْفُوا بِعَهْدِي أُوفِ بِعَهْدِكُمْ وَإِيَّايَ فَارْهَبُونِ (سورة البقرة، 40)

میرے حساب سے انعام یافتگان بنی اسرائیل تھے، قرآن میں لکھا ہے۔"

==========

محترم محمد شیخ صاحب کی اس بات پر تبصرہ کا آغاز ہم انہی کے ایک جملے سے کرنا چاہیں گے۔ انہوں نے فرمایا:

"اب میں نے جیسے ہی یہ آیت پڑھی تو میں یہ دیکھنا چاہوں کہ انعام یافتہ لوگ کون ہیں۔"

یہ بالکل درست بات ہے کہ جب ایک قرآن کا طالب علم قرآن مجید کے آغاز میں یہ پڑھتا ہے کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر اللہ کا انعام ہوا، تو اس کی فکر کا دھارا فورا یہاں مڑتا ہے کہ "وہ کون لوگ ہیں جن پر اللہ کا نعام ہوا؟"

لیکن اس سوال سے پہلے ایک اور بات ذہن میں ابھرتی ہے، جسے طے کیے بغیر اس سوال کے جواب کو، کہ انعام یافتگان کون ہیں، تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے بے آب وگیاں صحرا میں آب کی جستجو کرنا۔

وہ سوال یہ ہے کہ: "اس آیت میں اللہ تعالی کس انعام کا ذکر فرمارہے ہیں؟" اور یہ بات طے کرنے کے بعد ہم قرآن میں یہ تلاش کر سکتے ہیں کہ وہ کون سے انعام یافتگان ہیں جن کی پیروی کا اللہ تعالی حکم دے رہے ہیں؟

یہ بات طے کرنے کے لیے ہم قرآن مجید ہی میں غور کرتے ہیں۔ چناچہ قرآن کے طالب علم اس بات سے واقف ہیں کہ قرآن مجید میں "انعام" کے لیے لفظ

"انعام" بھی استعمال ہوا ہے، لفظ "، نعمت "(نون کی زیر کے ساتھ)، لفظ "نعمت "(نون کے زبر کے ساتھ) ولفظ "أنعم "(جو نعمت کی جمع ہے) اور لفظ "نَعْمَاءَ" بھی۔ ان تمام الفاظ کا مادہ (ROOT) ایک ہی ہے کہیں فعل (Verb) استعمال ہوا ہے اور کہیں اسم (Noun) نیز اللہ تعالی کے انعامات دنیاوی بھی ہیں جیسے بادشاہت دینا، مال دینا اور اخروی بھی جیسے ہدایت۔

محترم محمد شیخ صاحب نے سورۃ البقرۃ کی اس آیت سے یہ سمجھا، یا زیادہ محتاط الفاظ میں، ان کے طریقہ استدلال سے یہ عیاں ہوتا ہے، کہ جس پر بھی اللہ تعالی کا انعام ہوا اور اس انعام کی نوعیت جیسی بھی ہو، ہمیں ان کے راستے پر چلنے کا حکم دیا جارہا ہے۔ لیکن اس بات کو یا طریقہ استدلال کو تسلیم کر لینے کا نتیجہ کیا نکلتا ہے، اس پر غور کرتے ہیں۔ چناچہ ملاحظہ ہو:

ا: وَضَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا قَرْيَةً كَانَتْ آمِنَةً مُطْمَئِنَّةً يَأْتِيهَا رِزْقُهَا رَغَدًا مِنْ كُلِّ مَكَانٍ فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ فَأَذَاقَهَا اللَّهُ لِبَاسَ الْجُوعِ وَالْخَوْفِ بِمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ (سورة النحل، 112)

یہ سورۃ النحل کی آیت ہے اور اس میں اللہ تعالی ایک بستی کا ذکر فرماتے ہیں جس پر اللہ تعالی کے بہت سے انعام ہوئے لیکن اس نے کفران نعمت کیا، وہ نعمتیں جو اللہ تعالی کی طرف سے تھیں، چناچہ قرآن کے الفاظ غور فرمائیں: " فَكَفَرَتْ بِأَنْعُمِ اللَّهِ " جس میں صاف الفاظ میں بتایا جارہا ہے کہ "اللہ تعالی کی نعمتیں"۔ لیکن ان کا حال کیا ہوا؟ ان کا حال یہ ہوا کہ اللہ تعالی نے انہیں بھوک اور پیاس کا مزہ چکھایا، جیسا کہ اس آیت ہی میں مذکور ہے۔ اب اگر قرآن ہم سے یہ کہہ رہا ہے کہ جس پر انہوں نے کوئی بھی نعمت کی اس کے طریقے کی پیروی کرو، تو اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اللہ تعالی گویا ہم سے یہ کہہ رہے ہیں کہ "میری نعمتوں کا کفران کرو" جب کہ قرآن مجید ہی میں اللہ تعالی کا فرمان ہے کہ:

وَإِذْ تَأَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ إِنَّ عَذَابِي لَشَدِيدٌ (سورة إبراهيم،7)

اس میں اللہ تعالی واضح الفاظ میں فرمارہے ہیں کہ جو "کفران" کرے تو اس کے لیے سخت عذاب ہے۔

اب یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ جس کے لیے سخت عذاب کی وعید سنائی جارہی ہے اس کے "صراط "یعنی طریقے کی پیروی کا حکم دیا جارہا ہے!؟

۲: سورۃ الاسراء میں اللہ تعالی انسان کی ایک فطرت بیان فرماتے ہیں کہ:

وَإِذَا أَنْعَمْنَا عَلَى الْإِنْسَانِ أَعْرَضَ وَنَأَى بِجَانِبِهِ وَإِذَا مَسَّهُ الشَّرُّ كَانَ يَئُوسًا (سورة الإسراء، 83)

جس کا مفہوم کچھ یوں ہے کہ جب ہم انسان پر انعام کرتے ہیں، تو وہ منہ موڑتا ہے اور پہلو بدلتا ہے اور جب اس کے ساتھ کچھ برا ہو جائے، تو وہ مایوس ہو جاتا ہے۔

اس آیت میں "انسان" کی فطرت کے بارے میں، بحیثیت انسان، گفتگو ہو رہی ہے، کفر و ایمان کی بات نہیں۔ نیز یہ آیت بتاتی ہے کہ اللہ تعالی انسان پر بحیثیت انسان انعامات کرتے ہیں وہ مسلمان ہو یا کافر۔ کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ اللہ تعالی ہمیں ہر انسان کی پیروی کا حکم دے رہے ہیں خواہ وہ کافر ہو؟!

نوٹ: آپ کے ذہن میں یہ سوال پیدا ہو کہ آیت میں یہ کیسے معلوم ہوا کہ اللہ تعالی ضرور انعام کرتے ہیں بس یہ ہے کہ جب انعام کرتے ہیں تو ایسا ہوتا ہے؟

تواس کا جواب یہ ہے کہ اس آیت کا آغاز "اِذا" سے ہوا ہے "اِن" سے نہیں ہوا اور عربی زبان میں "اِذا" ایسی چیزوں کے لیے آتا ہے جو ضرور پیش آئیں گی چناچہ قیامت اور اس سے وابستہ چیزوں کا ذکر "اِذا" سے ہوتا ہے جبکہ "اِن" ایسی چیزوں کے لیے آتا ہے جن کا ہونا ضروری نہیں یہی وجہ ہے کہ قرآن نے جہاں جہاں کفار کو چیلنج (تحدی) دیا ہے وہاں "اِن" سے دیا ہے۔اس سے آپ کو یہ بھی معلوم ہوا ہو گا کہ عربی زبان اور ادب سمجھے بغیر انسان کبھی بھی قرآن کو براہ راست نہیں سمجھ سکتا۔

3: سورۃ اَلانفال میں اللہ تعالی فرعون اور اس کی قوم کا تذکرے ہوئے فرماتے ہیں کہ:

ذَلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِعْمَةً أَنْعَمَهَا عَلَى قَوْمٍ حَتَّى يُغَيِّرُوا مَا بِأَنْفُسِهِمْ وَأَنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ (53)

جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالی اگر کسی قوم پر اپنی نعمت فرمائیں تو اسے اس وقت نہیں بدلتے جب تک وہ خود اپنے حالات نہ بدلے۔

اس آیت میں کون سی نعمت مراد ہے ؟اور کس پر نعمت ہوئی ؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں فرعون اور اس کی قوم مراد ہے اور نعمت سے مراد دنیا کی بادشاہت وغیرہ ہے۔اور اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ قرآن نے اس آیت سے بالکل پہلے کہا:

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

اور اس آیت کے بعد فورا کہا:

كَدَأْبِ آلِ فِرْعَوْنَ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ

یعنی اس آیت کو اللہ تعالی نے فرعون اور ان سے پہلے کے کفار کے ذکر میں لپیٹ(Wrap) کر کے بیان کیا ہے۔

اب کیا اس سے یہ نتیجہ نکالا جائے گا کہ اللہ تعالی ہمیں فرعون اور ان سے پہلے کے کفار کے راستے کی پیروی کا حکم دے رہے ہیں ؟!

میں بات کو مزید طول نہیں دوں گا، ورنہ مثالیں اور بھی بہت سے ہیں آپ سورۃ الدخان کی مندرجہ ذیل آیت کو اس کے سیاق وسباق کے ساتھ ملاحظہ فرمالیں:

وَنَعْمَةٍ كَانُوا فِيهَا فَاكِهِينَ (27)

اب ہم اس طرف بات کی طرف آتے ہیں کہ سورۃ البقرۃ میں وہ کون سے نعمت ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے یا الفاظ دگر، وہ کون سے انعام یافتگان ہیں جن کی پیروی کا حکم دیا گیا ہے؟

اس سوال کا جواب جاننے کے لیے ہمیں کوئی لغت کھولنے، یا کسی اور طرف جانے کی ضرورت نہیں، بلکہ کسی اور آیت کی طرف جانے کی بھی ضرورت نہیں، بلکہ سورۃ الفاتحۃ ہی میں اس کا جواب موجود ہے۔ اور وہ یہ کہ اس آیت میں ایمان والوں کو دعا سکھائی گئی ہے کہ:

"اے اللہ ہمیں صراط مستقیم کی ہدایت عطا فرما"

اور اسی "صراط مستقیم" کی وضاحت میں آتا ہے کہ:

"ان کا راستہ جن پر تیرا انعام ہوا"

اب آپ خود فیصلہ فرمائیں کہ یہاں کس انعام کی بات ہو رہی ہے؟ کیا اس انعام کی جو فرعون پر یا کفار پر ہوا؟ حاشا و کلا۔

بلکہ یہاں "ہدایت" کے انعام کی بات ہو رہی ہے۔ اور بلاشبہ یہ شبہ، جو محترم محمد شیخ صاحب کے ذہن میں آیا، اس وجہ سے پیدا ہوا کہ اس لفظ کو اس کے سیاق وسباق (Context) سے ہٹا کر دیکھا گیا ہے۔

اب اس کے بعد ہم قرآن مجید کا مطالعہ اس زاویے سے کرتے ہیں کہ وہ کو سے لوگ ہیں جن پر اللہ تعالی نے ہدایت کا انعام کیا تو ہمارے سامنے سورۃ النساء اس کا ایک تفصیلی نقشہ کھینچی ہے چناچہ ملاحظ ہو:

وَلَوْ أَنَّهُمْ فَعَلُوا مَا يُوعَظُونَ بِهِ لَكَانَ خَيْرًا لَهُمْ وَأَشَدَّ تَثْبِيتًا (66) وَإِذًا لَآتَيْنَاهُمْ مِنْ لَدُنَّا أَجْرًا عَظِيمًا (67) وَلَهَدَيْنَاهُمْ صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا (68) وَمَنْ يُطِعِ اللَّهَ وَالرَّسُولَ فَأُولَئِكَ مَعَ الَّذِينَ أَنْعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ مِنَ النَّبِيِّينَ وَالصِّدِّيقِينَ وَالشُّهَدَاءِ وَالصَّالِحِينَ وَحَسُنَ أُولَئِكَ رَفِيقًا (69)

ترجمہ: اگر یہ لوگ وہ کرتے جس کی انہیں نصیحت کا جا رہی ہے، تو یہ ان کے لیے بہتر ہوتا اور ان میں ثابت قدمی پیدا کرتا، اور اس صورت میں ہم انہیں اپنے طرف سے بڑا اجر عطا کرتے اور

انہیں ایک سیدھی راہ کی ہدایت کرتے، جو اللہ اور اس کے رسول کی پیروی کرتے ہیں تو وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ نے انعام کیا، یعنی پیغبران، صدیقین، شہدا اور نیک لوگ، اور یہ لوگ کیا ہی خوب ساتھی ہیں۔

اس آیت میں پیچھے سے رسول اللہ کے زمانے کے لوگوں سے متعلق بات ہو رہی ہے اور انہیں بتایا جا رہا ہے کہ اگر یہ لوگ وہ کرتے جن کی انہیں نصیحت کی گئی تھی، تو انہیں ایک سیدھی راہ کی رہنمائی ہوتی، اب آپ غور فرمائیں کہ سورۃ الفاتحۃ میں ہے: "الصراط المستقيم"

اور اس میں، یعنی سورۃ النساء میں، صاف الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ " صِرَاطًا مُسْتَقِيمًا "یعنی ہم انہیں ایک سیدھی راہ کی ہدایت کرتے، نیز

سورۃ الفاتحۃ میں ہے: "أنعمت عليه"

اور اس میں، یعنی سورۃ النساء میں، صاف الفاظ میں بتایا جا رہا ہے کہ: "أنعم الله عليه"

اس لیے سورۃ الفاتحۃ میں جس ہدایت اور انعام یافتگان کا تذکرہ ہے اس کی تشریح سورۃ النساء کی مندرجہ بالا آیت کرتی ہے نہ کہ سورۃ البقرۃ کی وہ آیت جس میں بنی اسرائیل سے خطاب ہے۔

اس لیے اس سے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ قرآن سورۃ الفاتحۃ میں ہمیں بنی اسرائیل کی راہ پر چلنے کا حکم دے رہا ہے اور اس پر اس بات کی بنیاد کھڑی کرنا کہ امت مسلمہ بھی بنی اسرائیل سے ہے، ایک بے بنیاد بات ہے، بلکہ اس منطق کو تسلیم کر لینے کے نتیجے میں ایسے مضحکہ خیز باتیں سامنے آتی ہیں جن کو مان لینے کا نتیجہ یہ ہے کہ قرآن میں تضاد ہے اور جن کی طرف ہم نے اوپر تفصیل سے روشنی ڈالی۔

ہم نے اس پوری بحث میں قرآن کی روشنی میں گفتگو کی، کسی حدیث یا صحابی یا لغت کا حوالے نہیں دیا۔ اب جب کہ ہم قرآن ہی کی روشنی میں یہ بات طے کر چکے، تو اس آیت کی تفسیر کے حوالے سے یہ کہنا نامناسب نہیں کہ حضرت ابن عباس— رضي الله تعالى عنهما—نے، جنہیں اللہ کے نبی- صلی اللہ علیہ وسلم-نے قرآن کی

تفسیر کی مہارت کی دعادی تھی،اس آیت کی یہی تشریح کی ہے چناچہ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں کہ :

"وقال الضحاك، عن ابن عباس: صراط الذين أنعمت عليهم بطاعتك وعبادتك، من ملائكتك، وأنبيائك، والصديقين، والشهداء، والصالحين"

اس سے آپ کواندازہ ہو گا کہ صحابہ نے کس طرح غور و فکر کر کے آیات کی تشریح ذکر کی ہے اور یہ وجہ ہے کہ امت صحابہ کے فہم پر اعتماد کرتی ہے۔(اگر اس نقطے سے اتفاق نہ ہو،تب بھی ہماری اصل بحث پر اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔)

اس لیے ہم محترم محمد شیخ صاحب کو اس چیز کی دعوت دیتے ہیں کہ وہ سورۃ الفاتحۃ کی اس آیت کی تفسیر پر دوبارہ غور فرمائیں، نیز انہیں اس چیز کی بھی دعوت دی جاتی ہے کہ وہ عربی زبان وادب کو تفصیل سے سیکھیں تاکہ قرآن کو پڑھتے ہوئے وہ حق کی راہ پہنچان سکیں،اور قرآن نے ایک جگہ خود بیان کیا ہے کہ قرآن "عربی مبین" میں ہے اس لیے اگر کوئی بندہ بالکل آزاد ہو کر قرآن پڑھنا چاہتا ہے تو اس کے لیے کم از کم اتنی بات ہے کہ وہ "عربی مبین" سے واقف ہو۔

نوٹ: محترم محمد شیخ صاحب نے دو مزید آیات سے بھی استدلال کیا تھا اس امر پر کہ امت مسلمہ بنی اسرائیل ہی ہے، جب وقت ملا، تو ہم اس پر بھی روشنی ڈالیں گے کہ ان آیات کے مطالعے میں محترم کس طرح "ہدف" سے دور ہو گئے۔ لیکن سر دست ہمیں سورۃ الفاتحۃ کی آیت کی وضاحت مقصود تھی جو کر دی گئی۔

اللهم أرنا الحق حقا وارزقنا اتباعه، وأرنا الباطل باطلا وارزقنا اجتنابه